Woodbrooke Series No. 30

Why Believe in Personal Immortality?

BY
(Prof. Looțfy Levonian)

شخصی حیاتِ جاودانی پر کیوں اعتقاد رکھیں؟

مُصنّف
پروفیسر لُطفی لیوونیان صاحب
مقیم بیروت

پنجاب ریلیجس بُک سوسائٹی
انارکلی۔ لاہور
۱۹۵۲ء

1952

بار اوّل تعداد ۱۰۰۰

P. R. B. S. ANARKALI,
LAHORE.

شخصی حیاتِ جاودانی پر کیوں اعتقاد رکھیں؟

۱۔ شخصیت جسم سے برتر ہے:۔ حیاتِ جاودانی کے اعتقاد کی بنیاد شخصیت ہے۔ اِس موقع پر شخصیت غیر فانی ہے۔ موت اس کو برباد نہیں کرسکتی۔ شخصیت اُس بدن سے جس میں یہ بستی ہے کچھ زیادہ حیثیت رکھتی ہے۔ ہم اپنی شخصیت اور بدن کو کبھی بھی کامل طور پر ایک خیال نہیں کرتے خواہ ہمارے کسی ایک عضو کو نقصان پہنچے یا وہ علیحدہ ہو جائے تو بھی ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ ہماری ذات کو اس سے کوئی نقصان نہیں ہوا۔ ہمارے بدن کے خلیئے ہمیشہ ہی تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ کچھ سالوں کے بعد ہمارے بدن میں پرانے جسم کا ایک شائبہ تک باقی نہیں رہتا۔ تو بھی ہماری شخصیت قائم رہتی ہے۔ مَیں وُہی مَیں ہوں۔ اور تُم وُہی تُم۔ اُس تیقن کا یہ احساس اِس فطرتی بدن سے پیدا نہیں ہوتا۔ جو ہر وقت اور متواتر تبدیل ہوتا اور نیا بنتا رہتا ہے۔

۲۔ شخصیت فطرت سے بھی بالاتر ہے۔ علاوہ بریں جیسے شخصیت بدن سے اہم ترین ہے۔ اِسی طرح ہمارے گردونواح کی مادی دُنیا کے متعلق ہمارا علم اُس مادے کی نسبت کہیں زیادہ ہے جس سے یہ دُنیا بنی ہے۔ اِس دُنیا کو ہم محض مادے سے بنی ہوئی چیز ہی کے طور پر نہیں سمجھتے۔ بلکہ اس مفہوم

سے بھی جو ذاتی طور پر ہم اس کا تجربہ کرتے ہیں اس کو سمجھ سکتے ہیں۔ آوازیں وہ ہوائی لہریں ہیں۔ جو کان سے آکر ٹکراتی ہیں لیکن یہ ہوائی لہریں موسیقی نہیں۔ موسیقی ان ہوائی لہروں کا وہ مفہوم ہے۔ جو ہم اپنے آپ میں محسوس کرتے ہیں۔ روشنی ایتھر کی وہ لہر ہے جو ہماری آنکھوں پر پڑتی ہے لیکن جب ہم سمندر کے کنارے یا پہاڑ کی چوٹی پر کھڑے ہو کر غروب ہوتے ہوئے سورج کے درخشاں رنگوں کا نظارہ کرتے ہیں تو غروبِ آفتاب کے بارے میں ہمارا تصوّر ایک تعبیر یا تشریح ہے۔ عالمِ فطرت گو مادّے سے ترتیب دیا گیا ہے۔ تو بھی ایک خود شناس شخصیت کے سامنے وہ ایک نیا مفہوم لئے ہوئے ہے۔ شاعر مصوّر اور موسیقار اپنی شخصیت سے اسی مادی فطرت کی تعبیر کرتے ہیں۔ مادہ پرست فلسفہ جس میں صرف ایک مادہ ہی بنیادی اور حقیقی چیز ہے زندگی کے بلند ترین امور کی کبھی تشریح نہیں کر سکتا۔ اس کے علاوہ اگر مادّہ پرستی زندگی کا اصلی مفہوم بتا سکتی تو ہم غور و فکر کرتے ہی کیوں ہیں۔ ہم ایک خاص خودی کی حیثیت سے سوچتے اور جانتے ہیں۔ اور مادّہ پرستی شخصیت کی کبھی تشریح نہیں کر سکتی۔ سو یہ کہنا کہ "میں ہوں اس لئے سوچتا ہوں" اتنا ہی سچ ہے جتنا یہ کہ "میں سوچتا ہوں اس لئے میں ہوں"۔

۳۔ خیالات مادّے سے مختلف ہیں: ۔ مشکل حیاتِ ابدی کے متعلق غور و فکر کرنے میں اکثر ہر شخص کے تجربے میں آتی ہے۔ وہ کچھ تو اس لئے ہے۔ کہ ہم خیال اور مادّے میں تمیز کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ ہر ایک مادّی چیز کی خاصیت ہے۔ کہ وہ جگہ گھیرتی ہے۔ اور اگر تم ایک چیز کو ایک جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ رکھ دو۔ تو جہاں وہ پہلے رکھی تھی وہ جگہ خالی ہو جائیگی۔ اور جہاں اُسے رکھا ہے وہ خلا بھر جاتا ہے۔ ہمارے خیالات میں یہ بات نہیں۔ وہ تولے یا ماپے نہیں جا سکتے۔ اُن میں کوئی مکانی صفت نہیں ہے۔ ہم اُنہیں کھوئے

بغیر اور خود سے جُدا کئے بغیر بھی اوروں کو دے سکتے ہیں۔ اور اُن کو حاصل بھی کر سکتے ہیں۔ اور اس طور سے کہ اُن کا دینے والا بھی اُن کو کھو نہیں دیتا۔ سو یہ خیال کرنا بعید از عقل نہیں ہے۔ چُونکہ شخصیت یا ذات کوئی جگہ نہیں گھیرتی اور اپنا اظہار ایک ایسے بدن کے ذریعے کرتی ہے۔ جو خود وہ ذات نہیں ہے۔ اس لئے جب جسم مر جاتا ہے۔ تو زندگی ختم نہیں ہوتی بلکہ قائم رہتی ہے۔

۴۔ دماغ اور ذہن کے متعلق نظریہ: ۔ دماغ اور ذہن کے ایک دُوسرے سے ذہنی تعلق کے سوال کے متعلق تین نظریئے ہیں۔ ایک تو یہ نظریہ ہے کہ دماغ فعلِ ذہنی کو پیدا کرتا ہے۔ یہ مادہ پرستی کا نظریہ ہے۔ لیکن مادہ اُس خیال کی تشریح نہیں کر سکتا جو مقصد کے متعلق ہے۔ ہم ایک انسان کا مقصد اُس کی جسمانی ساخت کی تحقیق کرنے سے معلوم نہیں کر سکتے۔ اور نہ ہی اس کے اعضا کی چیر پھاڑ سے اُس کے چال چلن کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ ڈاکٹر میکڈوگل (medougal) مشہور انگریز ماہرِ نفسیات کہتے ہیں کہ "ایک بھی عضوی فعل پُورے طور پر جسمانی یا کیمیائی اُصول کے مطابق قابلِ توضیح نہیں ہے ایسی حرکات میں انتخاب کی ایسی طاقت کا اظہار ہوتا ہے۔ جو تمام مکان کی تشریحات کی کوششوں کو چکّر میں ڈال دیتی ہے"۔

ایک اور نظریہ متوازیت ہے یعنی یہ کہ جسم اور دماغ ایک دُوسرے کے متوازی اور ایک دُوسرے کے لئے نہایت ضروری ہیں۔ اس کے جواب میں ولیم جیمس ہاورڈ یونیورسٹی کا ماہرِ نفسیات ایک اور نظریہ پیش کرتا ہے۔ جس کی رُو سے دماغ رُوح کے لئے ایک آلۂ کار ہے۔ اور اس کا کام انتقالی ہے پیداواری نہیں۔ وہ بڑے منطقی انداز میں سوال کرتا ہے۔ کہ کیا بربط نواز بربط کے ساتھ ہی ختم ہو جاتا ہے؟ کیا وائلن بجانے والا وائلن کے ساتھ ہی مر جاتا ہے"؟ بہت

سے لوگ ریڈیو کی تانیں سُن کر خیال کرتے ہیں۔ کہ ریڈیو ہی موسیقی کی تانیں اُڑا رہا ہے اور راگ کے دریا بہا رہا ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ریڈیو کا کام محض ترسیلی یا انتقالی ہے۔ یہ اُس موسیقی کو قابلِ سماعت بنا دیتا ہے۔ جو کہیں اور پیدا کی جا رہی ہے۔ اور جس طرح بربط یا وائلن کے ٹوٹنے کے بعد موسیقار کسی اور ساز کو اپنے جذبات کی ترجمانی کے لئے کام میں لاتا ہے۔ بعینہٖ یہی حال رُوحِ انسانی کا ہے یہ ہماری زبان نہیں ہے۔ جو الفاظ کو بناتی ہے۔ بلکہ یہ تو ہمارے خیالات کی ترجمانی کے لئے رُوح کا آلۂ کار ہے۔ اور اگر ایک انسان گونگا یا بہرہ ہونے کی وجہ سے اپنی زبان کو استعمال نہیں کر سکتا۔ تو وہ اپنے خیالات کا اظہار کسی اور طریقہ سے کر سکتا ہے۔ مثال کے طور پر اپنی اُنگلیوں کی حرکات سے ہمارے بدن اور رُوح کا ایسا ہی تعلق ہے۔ خیالات کو پیدا کرنے والی رُوح یا ذات ہے اور ہمارے بدن کے اعضا اِن کی تشریح کرتے ہیں۔ بدن خیالات کی ترجمانی کا ایک ذریعہ ہے۔ اور رُوح اُن کو پیدا کرنے والی ہے۔ پس بدن کے مرنے کے ساتھ رُوح نہیں مرتی۔ بلکہ تا ابد زندہ رہتی ہے ٭

۵۔ حیاتِ جاوِدانی کا عقیدہ عالمگیر ہے:۔ دُنیا کی ابتداء سے تمام زمانوں میں انسان نے ایک آنے والی زندگی کا یقین کیا ہے۔ قدیم ترین غیر مہذب انسان بھی اِس زندگی کے بعد کی زندگی کا احساس رکھتا تھا۔ قدیم بابل کے باشندے بھی ایک ایسے عالم کا یقین کرتے تھے جو اِس کے بعد ہے۔ اور جسے وہ "رشیول" یا برزخ کہتے تھے۔ قدیم مصری بھی موت کے بعد ایک نئی زندگی پر اعتقاد رکھتے تھے۔ اور اُنہوں نے اپنے مُردوں کے لئے اہرام بنا کر اِس امر کی تصدیق کی ہے۔ اگر ان قدما کا ایمان محض ایک وہم پر ہی مبنی تھا۔ تو علم کی ترقی کے ساتھ ساتھ اِس کا معدوم ہو جانا بھی ضروری تھا۔

لیکن حقیقت تو یہ ہے۔ کہ قدیم اور موجودہ زمانے کے چند ایک نہایت ہی عقلمند اور دانا آدمی بہت ہی زیادہ رُوحانی اور دین دار تھے۔ قدیم اور جدید زمانے کے فلسفہ دانوں کی اکثریت نے ہر ایک بات کی چھان بین کے بعد اپنے غور و فکر کے نتیجہ میں حیاتِ جاودانی کی تصدیق کی ہے سقراط۔ افلاطون اور ارسطو۔ سیسرو۔ سنیکا۔ آگسٹین۔ مقدس توما۔ دیسکارتیس۔ لیبنٹز۔ لاک۔ برکلے۔ لوٹز۔ کینٹ۔ پاسکل۔ ایمرسن۔ ولیم جیمس۔ نیوٹن۔ کیپلر۔ اور ایڈنگٹن وغیرہ سب نے حیاتِ جاودانی کو تسلیم کیا ہے۔ ان سب کا آئندہ زندگی پر یقین کُلی ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر اُنہیں زندگی میں کوئی مقصد نظر نہیں آتا ٭

۶۔ حیاتِ جاوِدانی اور فطرتِ انسانی:۔ حیاتِ جاودانی انسان کی اسی فطرت میں مُضمر ہے۔ ہمارا شعورِ اخلاقی بھی حیاتِ جاودانی کا دعوے کرتا ہے۔ انسانی شخصیت میں غلط کو صحیح کرنے اور دُنیا میں اخلاق کو از سرِ نو قائم کرنے کی خواہش موروثی ہے۔ فلسفہ دانِ اعظم کینٹ کہتا ہے۔ کہ ہم اپنے ہر ایک تصور میں خُدا۔ آزادی اور حیاتِ جاودانی کا اعلان کرتے ہیں۔ ہم سوچتے محسوس کرتے اور اپنے سامنے معیار بناتے ہیں۔ اور یہ معیار ہی ہمیں عمل کرنے پر اُبھارتے ہیں۔ ہم پر ضمیر اپنا مطالبہ تحکمانہ انداز میں کرتی ہے۔ راستبازی کے لئے ہم ایک ذمہ داری اور اندرونی تحریک محسوس کرتے ہیں ہمیں یہ احساس ہے۔ کہ خواہ آسمان ہی کیوں نہ ٹل جائے لیکن ہر ایک کو نیکی ہی کے کام کرنے چاہئیں۔ اور غلط روی۔ بے عزتی اور رُسوائی سے موت بدرجہا بہتر ہے۔ اپنا فرض پُورا نہ کرنے سے ہم خود کو ذلیل اور دل شکستہ محسوس کرتے ہیں۔ ہم اولوالعزمانہ فعل سے متاثر ہوتے ہیں۔ اگر ہم اِس مادی دُنیا سے الگ

ایک بہترین دُنیا اور ابدی حیات کے عالم پر اعتقاد نہیں رکھتے تو ایسا کیوں محسوس کرتے ہیں۔ ہماری فطرت میں نیکی اور خوشی کے ممکنات کی تکمیل کی خواہش ودیعت کی گئی ہے۔ ہماری بہترین کوششوں کا اجر اس زندگی میں صرف ایک ہی حصہ ملتا ہے۔ اور ہم اس کی تکمیل کا انتظار کرتے ہیں۔ ہمارا چال چلن ناقص ہے اور ہمارا علم ناتمام۔ ہم ایک ایسی زندگی کے منتظر ہیں جس میں ہمارا چال چلن اور ہمارا علم کامل ہو جائیگا۔ دُنیا میں ایسے بھی ہیں۔ جو اپنی زندگی کے مقصد کو تکمیل تک پہنچائے بغیر ہی وفات پا گئے ہیں۔ وہ اُس وقت کے منتظر ہیں جب انہیں اپنے باطنی عزائم کو تکمیل تک پہنچانے کے لئے کافی موقع مل جائیگا۔ ہم یہاں بے انصافی کے خلاف اپنی آواز بلند کرتے ہیں۔ اور ایک ایسی آئندہ حالت کے منتظر ہیں جب تمام بے انصافیوں کو درست کیا جائیگا۔ اور راستبازی کا دَور دَورہ ہوگا۔

۷۔ موجودہ زندگی اور حیاتِ جاودانی کی اُمید:۔ ہم حیاتِ جاودانی کی اُمید کے بغیر انسانی زندگی کی تسلی بخش تصویر کو نہیں دیکھ سکتے۔ آدمی کی زندگی میں لامحدودیت کی ایک جھلک ہے ایسی زندگی جو اسی دُنیا کو اپنا محور سمجھے ہوئے ہے۔ اسی حیاتِ جاودانی کی اُمید کے بغیر کتنی رنجیدہ اور حسرتناک ہے۔ زندگی محض ایک سَراب بن جاتی ہے اور اس کی جھلک وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ معدوم ہو جاتی ہے بعض لوگ یہ دلیل پیش کرتے ہیں۔ کہ موجودہ زندگی حیاتِ جاودانی کی امداد کے بغیر غیر مکمل اور مختصر ہونے کے باوجود بھی اس قابل ہے کہ اسے بہترین طور پر صرف کیا جائے۔ اور ہمیں اس سے پورا پورا فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کرنا چاہئے۔ پہلی نظر میں تو یہ خیال بہت حوصلہ افزا ہے لیکن جب ہم یہ سوال کرتے ہیں۔ کہ کس چیز کے لئے زندہ رہنا چاہئے۔ تو اس کی کمی صاف نظر آتی ہے جس حد تک ہمارے مقاصد بلند اور ہمارے عزائم پختہ ہیں جس حد تک ہماری محبت بے لاگ ہے۔ اور جس حد تک ہم اس بات پر یقین کرتے ہیں کہ انسان

ابدی اہمیت رکھتا ہے۔ اُس حد تک زندگی زندہ رہنے کے شایاں ہے۔ اگر موت کا مطلب مِٹ جانا ہے۔ تو یہ مقاصد اور جذباتِ محبت غیر فطرتی بن جاتے ہیں۔ اور موت ہماری سب سے بڑی دُشمن ہے خاندانی تعلقات میں محبت۔ والدین اور بچوں کا باہمی پیار۔ دوستوں کی آپس میں اُلفت اور رفاقت۔ اور غُرباء اور حاجتمندوں پر ترس کھانا۔ تو اگر حیاتِ ابدی نہیں ہے تو یہ سب باتیں بے معنی۔ لاحاصل اور ایک ایسی کہانی بن جائینگی جو کسی بیوقوف نے گھڑی ہو یہ موت سب کچھ مٹا ڈالیگی۔ اور موت ہم سب کو مغلوب کر لیگی۔ اور ہم ہوا میں بخارات کی مانند اُڑ جائینگے۔ اگر ہماری زندگی کا انجام قبر ہی ہے۔ تو دُوسروں کی بے لاگ خدمت کرنے کی تکلیف اُٹھانا کیا ضرور ہے؟ اس حالت میں تو ہم جتنی کم محبت کرینگے۔ اُتنا ہی آرام سے رہینگے۔ اور ایسی زندگی جس میں نام کو بھی محبت نہ ہو بہت ہی بابرکت ثابت ہوگی۔

بعض کا یہ خیال ہے۔ کہ گو ایک فرد جاتا رہیگا۔ تاہم اُس کی خوبیاں اُس کی نسل میں باقی رہینگی۔ گو فرداً فرداً لوگ مرتے جائیں تو بھی وہ نسل قائم رہیگی۔ پھر بھی اس سیارے پر حیاتِ انسانی کے قائم رہنے کا یقین ہمیں کس طرح ہو سکتا ہے۔ خاص کر موجودہ زمانے میں جبکہ زہریلی گیس ہے۔ ہوائیاں ہیں اور تباہ کن ایٹمی بم ہیں۔ اور جب نسل انسانی کا آخری فرد صفحۂ ہستی سے مٹ جائیگا تو اس سے پیشتر کے تمام کام بیفائدہ اور لاحاصل ہو جائینگے۔ اور وہ تمام عزائم و مقاصد جن کی انسانوں نے اُمید کی اور جن کے لئے جدوجہد کی اور مر گئے۔ تو اُن کی یہ کوششیں اور اولوالعزمیاں ایک مذاق بن جائینگی۔ علاوہ بریں نسل کئی ایک افراد کا مجموعہ ہے۔ اور اگر انجام کار ان میں سے کسی کی بھی قدر نہیں تو تمام نسل کی نسل ہی بے قیمت ثابت ہوئی۔

آدمی کے لئے اس بات کا احساس ضروری ہے۔ کہ اس کی زندگی نہ صرف فانی عرصۂ حیات تک جو اُسے اس دُنیا میں گزارنا ہے محدود ہے۔ بلکہ اُس کی ایک

ابدی زندگی بھی ہے جس میں اُسے یہ یقین ہو جانا چاہیئے۔ کہ جن رُوحانی برکتوں کے لئے وہ جد و جہد کرتا رہا ہے۔ اُن کی بنیاد ابدیت پر ہے۔ یہ یقین بھی ہونا ضروری ہے کہ اُس کی بلند ترین تمنّائیں گو اِس جہان میں اُدھوری رہ جائینگی۔ لیکن وہ ابدیت میں پُورا پھل لائینگی ◆

۸۔ آنے والی زندگی کے متعلق شکوک:۔ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے۔ کہ ذہنی اور فلسفیانہ دلائل کے سبب لوگ آنے والی زندگی پر اعتقاد نہیں رکھتے لیکن حقیقت تو یہ ہے۔ کہ موت کے بعد آنے والی زندگی کا عقیدہ انسان کے خیالات سے نہیں۔ بلکہ اُس کے زندگی بسر کرنے کے طریقہ سے متأثر ہوتا ہے۔

ہم اکثر خیال کرتے ہیں۔ کہ عقائد انسانی منطق اور عقل پر مبنی ہوتے ہیں۔ لیکن درحقیقت ہم اپنی خواہشات کو صحیح ٹھیرانے کے لئے منطق کو استعمال میں لاتے ہیں۔ ہم سب اِس بات پر متفق ہیں کہ ہمیں راستباز ہونا چاہیئے لیکن اصل میں ہم اپنے ذہن کو سچائی کی تلاش کرنے اور خود کو اُس کی تعمیل میں مصروف کرنے کی نسبت اپنے خود غرضانہ مقاصد کی تصدیق کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ ہم سب اِس بات کو تسلیم کرتے ہیں۔ کہ اپنے پڑوسیوں سے اپنے تعلقات میں ہمیں بالکل درست اور غیر طرفدار ہونا چاہیئے۔ لیکن کسی غیر قوم یا غیر مذہب کے لوگوں کے ساتھ اِس قسم کا سلوک روا رکھنا ہمارے لئے کس قدر مشکل ہے۔ ایسے تمام معاملات میں ہمارے سامنے سچائی کو جاننے کی نسبت اپنی خواہشوں کو درست ثابت کرنے کے لئے اپنے دل و دماغ کو کل کی صورت میں کام میں لانے کی آزمائش رہتی ہے۔ علاوہ بریں ہماری اصلی خواہشات اکثر اوقات خود ہم ہی سے پوشیدہ ہوتی ہیں۔ فطرتِ انسانی میں خود غرضی نے کافی گہری جڑ پکڑ رکھی ہے۔ اور اکثر ہم اُس چیز کے لئے جو ہماری خواہشوں کے مطابق ہو دلائل پیش کرتے۔ اور بلند ترین عقلی دلائل

باہم پہنچاتے ہیں۔ اور ہمیں یہ گمان بھی نہیں ہوتا۔ کہ ہم اُس امر کے لئے جو ہے اور جو ہونا چاہیئے دلائل بازی نہیں کر رہے۔ بلکہ اُس کے لئے جو ہماری مرضی کے مطابق ہے اور جسے ہم خود چاہتے ہیں ◆

آنے والی زندگی کے بارے میں ہمارے غور و خوض کے لئے یہ سب امور درست ہیں۔ جب تک کہ ہم پاکیزہ دل و دماغ کے مالک نہ ہوں۔ اور اپنے باطنی مقاصد میں بالکل دیانتدار نہ ہوں۔ اُس وقت تک ہمیں وہ رویا حاصل نہیں ہو سکتی جو ہمیں زندگی کے رُوحانی معنی سمجھنے کے قابل بنائیگی۔ اگر لوگ زندگی کے بارے میں مادہ پرستانہ فلاسفی پر عمل کرینگے۔ تو وہ ہرگز اس کے رُوحانی حقائق پر اعتقاد نہیں رکھ سکتے حیاتِ انسانی کی اکثر مثالیں اور زندگی بسر کرنے کے اکثر طریقے ایسے ہیں جو آنے والی زندگی کے بارے میں ناگزیر طور پر شکوک پیدا کر دیتے ہیں ◆

۹۔ خود غرض اُمنگیں:۔ زندگی کے اُن طریقوں میں سے جو آنے والی زندگی کے اعتقاد کو مشکل بنا ڈالتے ہیں۔ ایک طریقہ خود غرض اُمنگوں اور ولولوں کے حصول کے لئے محنت اور جانفشانی سے جستجو کرنا ہے۔ آدمی کو ترقی کرنے کے پُر جوش شوق اور عمل اور حصول کی دُھن سے آراستہ کیا گیا ہے لیکن جب یہ شوق خود غرض مقاصد مثلاً شخصی اقتدار اور برتری کے حصول کے لئے کام میں لایا جاتا ہے۔ تو اِس کا نتیجہ کُلی طور پر [illegible] ہوتا ہے۔ اور انجام کار موجودہ اور آنے والی زندگی سے نفرت ہو جاتی ہے۔ کاروبار میں اکثر آدمی ایسے ہیں جن کا صرف یہی مقصد ہے کہ دولت جمع کریں۔ وہ صبح سویرے اُٹھتے اور رات کو دیر سے سوتے ہیں۔ اُن کا دماغ متواتر ایسے افکار کی آماجگاہ بنا رہتا ہے جن کا تعلق اُن کے اپنے مفاد سے ہے۔ اوروں پر ذاتی اختیار حاصل کرنے کا شوق اور تحکم پسند غرور ایسی طاقتیں ہیں۔ جن پر اُن کی زندگی کا دار و مدار ہے رفتہ رفتہ وہ انسانیت اور حقیقت کے احساس کو کھو دیتے

ہیں۔ اُن کے خیالات ہیں پس انسانیت اور دوسروں کی ضروریات اور زندگی ہیں انسانی محبت اور ہمدردی کے تمام جذبات معدوم ہو جاتے ہیں۔ اور وہ زندگی کی روحانی قدر و قیمت کے تاثر سے محروم ہو جاتے ہیں۔ آخرکار جب آتشِ حیات کی حدت کم ہونے لگتی ہے تو وہ غیر مطمئن نظر آتے ہیں۔ اور کوئی اُن سے حقیقی محبت نہیں رکھتا۔ کیوں کہ اُنہوں نے کسی سے حقیقی محبت نہ کی تھی۔ پس وہ آنے والی زندگی پر شک کرنے لگتے ہیں۔ کیونکہ وہ اپنی زندگی سے تھک چکے ہیں۔ اور زندہ رہنے میں کوئی خوبی اور اہمیت نہیں دیکھتے۔ آخرکار قبر کی تاریکی اُن پر غالب آجاتی ہے۔ اور اُنہیں آئندہ زندگی کی کوئی اُمید نہیں ہوتی۔ دولت کی تلاش اور دنیاوی کامیابی کی اُمنگ انسان کو روحانی انعامات کی طرف سے بے حس کر دیتی ہے۔ اِس لئے اِس قسم کے لوگ ذاتی حیاتِ جاودانی کے عقیدہ کو کھو بیٹھتے ہیں۔

۱۰۔ **رسمی پابندی**:۔ زندگی بسر کرنے کا ایک اور طریقہ جو آنے والی زندگی کے بارے میں شکوک پیدا کرتا ہے۔ خارجی رسمی پابندیوں میں جکڑے رہنا ہے۔ اِن لوگوں کی سب سے بڑی تمنا شرافت یا باوقار ہونا ہے۔ وہ اعلیٰ عہدوں پر فائز ہونا صدر نشینی اور جماعت کی تعریفوں کو پسند کرتے ہیں۔ اور اپنے گردو نواح کی جماعت کے مطابق لباس پہنتے اور اُن کی رسموں پر عمل کرتے ہیں۔ شرفا کی سی وضع اختیار کرتے باعظمت اور پُر رعب نگاہوں سے لوگوں کو دیکھتے ہیں۔ لیکن اپنی ذات اور شخصیت کے بارے میں ہرگز غور و فکر نہیں کرتے۔ وہ ہر معاملے میں حکمت اور مصلحت کو مدِنظر رکھتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو سچائی اور راستبازی کے بارے میں کبھی غور و فکر کی تکلیف نہیں دیتے۔ وہ اپنی جماعت کے رسم و رواج یا اُس ظاہری مذہب کے سوا جو اُنہیں اپنے آباؤ اجداد سے ورثے میں ملا ہے اور کسی مقدس چیز کی پرستش نہیں کرتے۔ اُن کے واقفکار تو بہت سے ہیں۔ لیکن کوئی حقیقی دوست نہیں۔ اُن کی تعریف

تو بہت ہوتی ہے لیکن کبھی حقیقی محبت اور تحسین نہیں ملتی۔ وقت کو وہ اُس کے حساب آسا سامانِ عیش کے ساتھ گزارتے ہیں لیکن کبھی اُن حقیقتوں سے خبردار نہیں ہوتے جو اِس زندگی کے بعد آنے والی ہیں۔ وہ دنیاوی عیش و طرب میں خوشی کی تلاش کرتے ہیں۔ لیکن اُن کے سامنے اپنی شخصیت اور ذات کو بلند معیار تک پہنچانے کے لئے دُن کا کوئی عظیم الشان مقصد نہیں ہے۔ جیسے جیسے زندگی کا دور گزرتا جاتا ہے۔ وہ اِدھر اُدھر سکون کی تلاش میں سرگردان رہتے ہیں۔ اور اُن کی تشنگی کبھی دور نہیں ہوتی۔ بطلان کے زر خرید ہوتے ہوئے اور زندگی میں کسی بات کو پائیدار نہ پاکر وہ قدرتی طور پر شخصی پائیداری اور دوامی کے تمام خیالات کو بھی دل سے نکال دیتے ہیں۔ کسی اور بات سے کہیں زیادہ خود کو بے لاگ محبت اور اُس کے اثر سے متاثر کرنے اور خود کو دے دینے کی طاقت آنے والی زندگی کے متعلق ہمارے ایمان کو مضبوط کرتی ہے۔ مندرجہ بالا اشخاص کی زندگیوں کی عظیم ترین خصوصیات خود مطلبی۔ اوروں کے لئے جذبۂ اُلفت اور عزت کی کمی ہیں۔ اور جہاں کہیں اُوروں کے لئے محبت کی کمی ہے۔ وہاں حیاتِ جاودانی پر یقین کا بھی فقدان ہے۔ کیونکہ اِن حالات میں کوئی ایسا تجربہ نہیں ہو سکتا جس میں کوئی خاص بیش قیمت فائدہ ہو سکتا ہے۔ ضرور ہے کہ اُس زندگی میں جو ابدی کہلانے کی مستحق ہے ناپائدار اور وقتی مفاد سے بڑھ کر اور بھی کوئی بات ہے۔

۱۱۔ **نفس پرستی اور ہوس رانی**:۔ اکثر انسانوں کی زندگی نفسانی خواہشات کی غلام بھی ہوتی ہے۔ انسان میں حیوانی دنیا کی مانند خواہشات پائی جاتی ہیں۔ اور انسان میں وہ خواہشات اِس حد تک ذلیل اور پست ہو سکتی ہیں۔ کہ فطرت میں ایسی ہرگز پائی نہیں جاتیں۔ نفس پرست انسان کی طرح تو نہیں بلکہ حیوان کی طرح زندگی بسر کرتا ہے۔ ایک طرح تو وہ ہوس رانی کی زندگی بسر کرنے

میں خوشی کی تلاش کرتا ہے۔ لیکن پھر بھی مطمئن نہیں ہو سکتا۔ برعکس اس کے چڑچڑا اور بے رحم ہو جاتا ہے۔ وہ خود ضبطی کو کھو دیتا ہے۔ اور خودغرضی اور غرور سے اندھا ہو جاتا ہے۔ اور دوسروں کا خون چوسنے میں خوشی محسوس کرتا ہے۔ یہ اُن لوگوں کے اعمال کی تشریح ہے۔ جنہوں نے شہر کے شہر جلا کر راکھ کر ڈالے۔ اور ہزاروں مردوں۔ عورتوں اور بچوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگ لئے ہیں۔ اس قسم کے آدمی حیاتِ جاودانی کے لائق نہیں۔ کیونکہ زندگی اُن کے لئے ایک شرمناک اور پست کرنے والی شے ہو گئی ہے۔ شہوت محبت کی ضد ہے۔ محبت پاکیزہ اور خود انکار ہے۔ اور شہوت خودغرض ہے۔ اور یہ انسان کو جانور بنا ڈالتی ہے۔

۱۲۔ خداوند یسوع مسیح اور حیاتِ جاودانی:۔ خداوند یسوع مسیح میں خدا کا مکاشفہ حیاتِ ابدی کا مکاشفہ کہلاتا ہے۔

یسوع حیاتِ ابدی پر اعتقاد رکھتا تھا۔ جب یہودی صدوقیوں نے جو قیامت اور مُردوں میں سے جی اُٹھنے کو نہیں مانتے تھے اُس سے موت کے بعد آنے والی زندگی کے متعلق پریشان کن سوال کئے۔ تو اُس نے اُن کو جواب دیا "خدا کہتا ہے۔ کہ میں ابرہام کا خدا۔ اضحاق کا خدا اور یعقوب کا خدا ہوں۔ وہ تو مُردوں کا نہیں بلکہ زندوں کا خدا ہے"۔ اور اُن کو خاموش کر دیا۔ جو اس دُنیا کے لئے دولت جمع کر رہے تھے اُن کو آنے والی دُنیا کے متعلق بتایا اور کہا کہ "زمین پر اپنے لئے مال جمع نہ کرو۔ جہاں کیڑا لگتا اور زنگ خراب کرتا اور چور نقب لگاتے اور چُراتے ہیں بلکہ اپنے لئے آسمان پر خزانہ جمع کرو۔ جہاں نہ کیڑا لگتا۔ اور نہ زنگ خراب کرتا ہے اور جہاں نہ چور نقب لگاتے اور چُراتے ہیں"۔ چند سادہ تمثیلوں کے ذریعے اُس نے آدمیوں کو آنے والی قیامت اور سزا سے آگاہ کیا۔ اُس نے کہا "ہر ایک فضول بات کا جو آدمی کے منہ سے نکلتی ہے۔ قیامت کے دن حساب دینا ہو گا"۔ اُس نے ایک

خودغرض دولتمند کی تمثیل بتائی جو مہین ارغوانی کتان میں ملبوس تھا۔ اور بڑی عیش و عشرت میں زندگی بسر کرتا تھا۔ اور ایک بھکاری اُس کے پھاٹک پر پڑا رہتا تھا جو تمام ناسوروں سے بھرا ہوا تھا۔ جس کی آرزو یہ تھی کہ دولتمند کی میز سے گرے ہوئے ٹکڑوں سے اپنا پیٹ بھرے۔ وہ دونو مر گئے۔ اور ایک تو ابرہام کی گود میں لیجایا گیا اور دوسرا امیر آدمی جہنم میں ڈالا گیا تاکہ دُکھ اُٹھائے۔ اُس نے ایک ایسے روزِ عظیم کے بارے میں ذکر کیا جب تمام لوگ اکٹھے ہونگے۔ تاکہ دُنیا میں اپنے اپنے کاموں کے مطابق ایک دُوسرے سے الگ کئے جائیں۔ یعنی کیا اُنہوں نے بیماروں اور ننگوں کی خدمت کی اور انہیں کپڑا پہنایا۔ اور خود انکار زندگی بسر کی۔ جیسے چرواہا اپنی بھیڑوں کو بکریوں سے جُدا کرتا ہے۔ اُس نے کہا کہ "وہ وقت آئیگا جب وہ سب جو قبروں میں ہیں اُس کی آواز سُنینگے۔ اور جو سُنیں گے وہ جئیں گے۔ جنہوں نے نیکی کی ہے۔ نیکی کی قیامت کے لئے۔ اور جنہوں نے بدی کی ہے۔ سزا اور موت کی قیامت کے لئے"۔

یسوع حیاتِ ابدی کی فضا میں زندگی بسر کرتا ہے۔ وہ یقین کرتا تھا کہ خدا راست باز اور محبت کرنے والا اور اُس کا باپ ہے۔ یسوع کے لئے خدا ایک نتیجہ نہیں بلکہ حقیقت ہے۔ وہ ہمیشہ خدا کے ساتھ رہتا اور ہر چیز میں اُسے دیکھتا تھا۔ اُس نے کہا کہ وہ باپ کے ساتھ ایک ہے۔ اپنے شاگردوں کے ساتھ آخری گفتگو میں اُس نے کہا "تمہارا دل نہ گھبرائے۔ تم خدا پر ایمان رکھتے ہو مجھ پر بھی ایمان رکھو۔ میرے باپ کے گھر میں بہت سے مکان ہیں۔ میں جاتا ہوں۔ تاکہ تمہارے لئے جگہ تیار کروں"۔ جب وہ صلیب دیئے جانے کو لے جایا جا رہا تھا۔ اور اُس نے روتی ہوئی عورتوں کو دیکھا۔ تو مُڑ کر اُن سے کہا "اے یروشلیم کی بیٹیو میرے لئے مت روؤ۔ بلکہ اپنے

لئے اور اپنے بچوں کے لئے روؤ"۔ یسوع کو موت کا کوئی ڈر نہیں تھا۔ لعزر کی قبر پر آنے کے موقع پر اُس نے کہا۔ "قیامت اور زندگی مَیں ہُوں۔ جو مجھ پر ایمان لاتا ہے۔ اور مجھ میں قائم رہتا ہے۔ وہ ابد تک نہ مریگا"۔ اُس نے ابدی زندگی کے بارے میں بتایا۔ اور کہا کہ وُہ آیا ہے۔ تاکہ ابدی زندگی بخشے۔

۱۳۔ مسیح یسوع کا مُردوں میں سے جی اُٹھنا:۔ یسوع مصلوب ہُوا اور مر گیا۔ اِس میں تو شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن وہ جی اُٹھا۔ اور خود کو اپنے شاگردوں اور اَوروں پر زندہ ظاہر کیا۔ جو کہ بالکل حقیقت ہے۔ یسوع کے مُردوں میں سے جی اُٹھنے کے لئے یہ دلائل پیش کرنے کا موقع یہاں نہیں ہے۔ لیکن تفصیلات سے قطع نظر اتنا تو یقینی ہے۔ کہ تصلیب کے اندوہناک اور رُوح فرسا واقع کے بعد شاگردوں کی دلیرانہ اور پُرمسرّت سرگرمی اور جوش کی وجہ اِس حقیقت کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ شاگردوں کا یہ ایمان تھا۔ کہ مسیح فی الحقیقت اُن پر ظاہر ہُوا۔ اور وہ زندہ تھا۔ اور ہر وقت اُن کے ساتھ تھا۔ شاگردوں نے ہر جگہ اُس کی گواہی دی۔ اور تمام لوگوں کے سامنے اِس بات کی مُنادی کی۔ کیونکہ اُن کا ایمان تھا۔ کہ مُردوں میں سے جی اُٹھی ہُوئی اِس نئی زندگی میں خُدا نے یسوع کی زمینی زندگی کی لاثانیت اور راست بازی کو ثابت کر دیا ہے۔ اور ظاہر کیا ہے کہ ابدی اور ازلی نظام محبت اور سچائی پر مبنی ہے۔ اِس طور سے اُن کا ایمان محبت کے خُدا پر تھا۔ کیونکہ اُنہوں نے اُس کو مسیح یسوع میں دیکھ لیا تھا۔ اور بعد میں اُنہوں نے اُس کے ساتھ اپنی رفاقت میں اِس کا تجربہ بھی کیا۔ اور وہ یہ کہہ سکتے تھے کہ "ہم یہ جانتے ہیں۔ کہ موت سے نکل کر زندگی میں داخل ہو گئے ہیں کیونکہ ہم محبت کرتے ہیں"۔ +

۱۴۔ خُدا پر ایمان اور حیاتِ جاودانی:۔ جس کسی نے خُدا کی محبت کا تجربہ کیا ہے۔ اُس کے لئے حیاتِ جاودانی پر شک کرنا ممکن نہیں۔ یسوع نے کہا "جو کوئی بدی کرتا ہے نُور سے نفرت رکھتا ہے۔ اور وُہ نُور میں آنا نہیں چاہتا کہ کہیں اُس کے کام ظاہر نہ ہو جائیں"۔ بُرا آدمی خُدا اور حیاتِ جاودانی کے خیال کو پسند نہیں کرتا۔ اصل میں تو وہ اِس خیال ہی سے نفرت رکھتا ہے۔ کیونکہ وہ تاریکی میں رہتا ہے۔ اور موت کی نا اُمیدی کی تاریکی کو جی اُٹھنے کی اُمید کے مقابلے میں بہتر جانتا ہے۔ حیاتِ جاودانی کے اعتقاد پر انسان کی آخری بُنیاد خُدا پر ایمان ہے۔ اگر خُدا نے انسان کو ذی عقل۔ با اخلاق۔ اور رُوحانی جوش اور اولوالعزمی کی صفات سے مزیّن کیا ہے۔ جن کی پُوری مانگ یہاں پُوری نہیں ہو سکتی۔ اور جن کی پُوری تکمیل کے لئے ابدیت چاہیئے۔ تو اُن کا آنے والی زندگی پر یقین ایک عقلی بات بن جاتا ہے۔ ورنہ خُدا نے یہ کر کے اپنی فطرت اور خاصیت کے خلاف کچھ کیا ہوتا۔ اگر انسانوں کے لئے کوئی آنے والی زندگی نہ ہوتی تو دُنیا کو خلق کرنے کے اعلیٰ ترین مقصد میں خُدا شکست کھا جاتا۔ یہ امر ناقابل تصوّر ہے۔ کہ خُدا ذی عقل اور با مقصد ہونے کے باوجود اُن رُوحوں کو ایک طرف لا پرواہی سے پھینک دے جنہوں نے اِس یقین کے ساتھ کشاکش حیات کی صعوبتیں اور مشکلیں رُوحانی خُوبیاں ناقابلِ فنا ہیں۔ اور زندگی کا مقصد ابدی ہے۔ اگر خُدا ہے تو پھر آدمی کی حیاتِ جاودانی ایک یقینی امر ہے +

آخری کلمات:۔ شخصی حیاتِ جاودانی پر کیوں اعتقاد رکھیں؟ کیونکہ شخصیت ایک بہت ہی بیش قیمت چیز ہے۔ ایک شخص تمام مادی دُنیا سے کہیں زیادہ اہمیّت اور قدر رکھتا ہے۔ شخصیت ایک

دوامی شے ہے ۔ آدمی کی رُوح ہے اور رُوح غیر فانی ہے ٭
کیونکہ زندگی میں محبت ہے ۔ اور محبت لازوال شے ہے ۔ یہ موت پر بھی غالب آتی ہے ۔ ہمارے عزیزوں کی محبت ۔ خاندانی محبت والدین اور بچوں کے درمیان ۔ دوستوں کے درمیان ۔ لاوارثوں اور اکیلے انسانوں کے ساتھ محبت ۔ اور سب سے بڑھ کر خُدا کی وُہ لامحدُود محبت ۔ یہ سب حقیقتیں ہیں ۔ اور ابدی ہیں ۔ جب کوئی خُدا کی اِس محبت کا تجربہ کرتا ہے تو اُسے نہ صرف اطمینان اور خُدا کے ساتھ میل ملاپ کا یقین ہی ہوتا ہے ۔ بلکہ ابدی زندگی کا بھی یقین ہوتا ہے ٭
"کیونکہ ہمیشہ کی زندگی یہ ہے ۔ کہ وہ تجھ خُدائے واحد اور برحق کو اور یسوع مسیح کو جسے تُو نے بھیجا ہے جانیں"